DOI: https://doi.org/10.52541/fn.v58i4.1243

استشراقی فکر: سر سید احمد خان اور ابو الکلام آزاد کے نقطۂ نظر کا جائزہ

رضیہ شبانہ ۞

Oriental Thought: An Overview of the Perspectives of Sir Sayyid Aḥmad Khān and Abū 'l-Kalām Āzād

Razia Shabana ۞

ABSTRACT

One of the most consequential byproducts of Colonialism was the rise of Orientalism. The Orientalists, almost all of whom were Christians and Jews, studied the cultures of the Orient, bringing their own cultural baggage in the process. Needless to say, this generated a variety of responses from the insiders of those cultures. In the Indian subcontinent, Sir Sayyid Aḥmad Khān was one of the first Muslim scholars who critically analyzed and responded to the works of Orientalists on the *sīrah* of the Prophet (P.B.U.H.) through his book *al-Khuṭbāt al-Aḥmadiyyah.* In this context, another prominent scholar of the Indian subcontinent is Abū'l-Kalām Āzād. This paper examines the understanding of

۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان۔

۞ Associate Professor, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan. (raziashabana@bzu.edu.pk)

these two scholars of the Orientalist scholarship on Islam and compares their responses to it.

Keywords

Orientalism, Muslim responses to Orientalism, Sayyid Aḥmad Khān, Abū'l-Kalām Āzād

Summary of the Article

The growth of Orientalism, as an intellectual tradition developed in the Western world, coincides roughly with the rise of colonialism. The Orientalists, almost all of whom were Christians and Jews, studied the cultures of the Orient and often brought their own cultural baggage in the process. Naturally, the insiders of those cultures presented a continuum of responses to the work of the Orientalists.

In the Indian subcontinent, Sir Sayyid Aḥmad Khān was one of the first Muslim scholars to address and respond to the works of the Orientalists. He wrote a book on *sīrah* of the Prophet (P.B.U.H.) under the title of *al-Khuṭbāt al-Aḥmadiyyah fī 'l- 'Arab wa 'l-Sīrah al-Muḥammadiyyah* which was primarily, but not exclusively, a response to *The Life of Mahomet*, a four-volume book by William Muir that remained highly

controversial in Muslim circles of the subcontinent. Although the content of Sir Sayyid's work did not gain wider acceptance amongst his Muslim audience, it became a trendsetting effort in assessing the works of Orientalists.

Although the primary motive for writing *al-Khuṭbāt al-Aḥmadiyyah* was to respond to Muir's book, Sir Sayyid also appraised the works of many Orientalists on Islam in his book. He critiqued the Orientalists' works, which he deemed biased and misrepresentations of Islam on the one hand but appreciated those works, which he considered factual and unbiased portrayals of Islam on the other. He criticized, for instance, the likes of William Muir, Aloys Sprenger, and Humphrey Prideaux and praised the likes of John Davenport, Edward Gibbon, and Thomas Carlyle. In this regard, several texts have been quoted in this paper.

The paper also examines Abū 'l-Kalām Āzād's views on the Orientalist scholarship on Islam. Though he became increasingly involved in the realm of politics, Āzād was first and foremost a man of letters who was also highly conversant with Arabic, Persian, and Urdu languages. He was influenced by Sir Sayyid Aḥmad Khān in his early carrier, though he became his critic later on. Like Sir Sayyid, he was also critical of the

works of Orientalists. However, he showered praise on Orientalists for preserving and bringing forth the Muslim heritage, which, he considered, would have been lost otherwise.

In the end, the article compares the views of Sir Sayyid Aḥmad Khān and Abū al-Kalām Āzād on the Orientalist scholarship. While there are many similarities between the two in their approach to the works of Orientalists, it is noted that Sir Sayyid's views were regarded as neo-Mu'tazilite by many Orthodox Muslims, and his scholarship was considered to be influenced by Western rationalism. Āzād, on the other hand, was seen much more of an Orthodox. Hence, while the former's scholarship did not gain wider acceptance amongst Orthodox Muslims, the latter's work gained greater recognition in traditional circles.

تعارف

بیسویں صدی میں نئے رجحانات، نئے سیاسی منظر نامے اور معاشی وسماجی سطح پر ترقی یافتہ نظریات کا آغاز ہوا۔ مغربی استعمار کے خلاف جدوجہد آزادی تیز تر ہونے لگی اور استعماری قوتوں کی شکست و ریخت بھی شروع ہوگئی۔ ہندوستان میں برطانوی استعمار کی گرفت کم زور پڑنے لگی اور مقامی طور پر عسکری اور اسلامی تحریکوں کے نتائج کے طور پر ہندوستانی مسلمانوں میں علمی بے داری کا عمل شروع ہوا۔ اس بے داری نے جہاں علوم وفنون میں ترقی کی سعی کی وہیں مغربی استعماریت اور مستشرقین کا فکری محاکمہ بھی کیا۔ برصغیر کے اہلِ علم نے نبی کریم ﷺ کی سیرت پر کتابیں لکھیں اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے۔ سرسید نے جذبۂ ایمانی اور جرأت

مندی سے اپنے ہم عصر مستشرق ولیم میور (William Muir) کی تصنیف *The Life of Mahomet* کی اشاعت پر خاموشی کو گناہ کے برابر خیال کیا اور تمام تر کم مائیگی کے باوجود خالص علمی سطح پر کتاب پر تنقید و محاکمہ کر کے تاریخی حقائق واسناد پر مبنی ایک جوابی کتاب **خطبات احمدیہ** لکھی۔[۱] اور یوں انیسویں صدی کے اواخر سے گویا مستشرقین کے مقابلے میں ہندوستان سے ایک علمی تحریک کا آغاز ہو گیا جسے بعد میں مزید توسیع و ترقی حاصل ہوئی اور جلد ہی مسیحیت کے رد اور عہد قدیم اور جدید پر فاضلانہ تنقید کے سلسلے کی اہم اور دقیق کتابیں مرتب ہوئیں۔[۲]

مستشرقین کے مقابلے میں شروع ہونے والی تحریک کا ایک نمایاں نام سید امیر علی کا ہے جو نہ صرف مسلمانان ہند کے ایک لیڈر تھے، بلکہ مشہور قانون دان ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی کارکن بھی تھے۔ تاہم ان کا بنیادی کام ایک مصنف کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔ لندن میں حصول علم کے دوران انھوں نے اسلام کے متعلق مغربی نظریے کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور رسالت پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جو ۱۸۷۳ء میں لندن سے شائع ہوا۔ یہی مقالہ آپ کی اس مفصل تصنیف کی ابتدائی کڑی تھا جو آخر کار *The Spirit of Islam* کے عنوان سے منظر عام پر آئی۔[۳] اسلام کے متعلق ان کی یہ جدید طرز کی تصنیف بہت مقبول ہوئی اور اس کتاب نے برطانیہ کے علمی وادبی حلقوں میں داد و تحسین حاصل کی۔

مستشرق اوسبورن (Osborne) امیر علی کی اس کتاب کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

> یہ کتاب یقیناً داد و تحسین کی مستحق ہے۔ اس کا طرز بیان بتاتا ہے کہ مصنف کو انگریزی زبان پر بھرپور قدرت ہے اور ان کا اسلوب ان عیوب و نقائص سے پاک ہے، جن میں ہندوستان کے انگریزی تعلیم یافتہ عام طور پر مبتلا ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ جس کا نقش اول یہ کتاب ہو وہ مستقبل میں فعال کردار ادا نہ کر سکے۔[۴]

شبلی نعمانی کی شہرۂ آفاق **سیرۃ النبی ﷺ** صرف سیرت ہی کی کتاب نہیں ہے بلکہ مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جواب بھی ہے۔ کتاب کا مقدمہ جو فقط فن سیرت پر ہے، اس میں سیرت پر لکھی جانے والی یورپی

۱۔ سید عبداللہ، "احمد خان"، مشمولہ **اردو دائرہ معارف اسلامیہ** (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰ء)، ۲: ۱۱۸۔

۲۔ ابوالحسن علی ندوی، **اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین** (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۱۹۸۲ء)، ۲۷۔

۳۔ دوسری اشاعت ۱۸۹۱ء میں، پھر اصلاح شدہ نسخہ ۱۹۲۲ء میں سامنے آیا اور ایک اور اشاعت ان کے انتقال کے بعد ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ (ڈبلیو کانٹویل سمتھ، "امیر علی"، مشمولہ **اردو دائرہ معارف اسلامی** (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۰ء)، ۳: ۲۷۲۔)

۴۔ احمد امین، **زعماء الإصلاح في العصر الحديث** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۵ء)، ۱۴۰۔

تصنیفات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔[۵]

ہندوستان کے جن علما نے مستشرقین کا کھل کر مقابلہ کیا، ان میں مناظر احسن گیلانی، مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی قابل ذکر ہیں۔ بالخصوص مولانا مودودی کی تصانیف اور مضامین میں معذرت خواہانہ اور مدافعانہ اسلوب کے بجائے اقدامی اور خود اعتمادی سے بھرپور اسلوب پایا جاتا ہے۔ ان کے علمی کارناموں میں **الجهاد في الاسلام**، **تفہیمات** اور تفسیر **تفہیم القرآن** کے علاوہ مضامین، تقاریر اور کتابچوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

برصغیر پاک وہند کے علما اور محققین نے نہ صرف استشراقی فکر کو سمجھا بلکہ اس کا تجزیہ بھی کیا۔ اس کا سب سے پہلے آغاز سر سید احمد خان نے کیا۔ وہ اپنی تصانیف میں ہر دو قسم کے مستشرقین کے افکار کو بیان کرتے ہیں: جنھوں نے اسلام پر اعتراضات کیے اور وہ بھی جو اسلام کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد بھی انھی اہلِ علم سے تعلق رکھتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ مستشرقین نے اسلامی علوم پر جو کمال تحقیقات کی ہیں — بالخصوص عربی زبان وادب میں — ان کی تحقیقات کو تسلیم کیا جائے اور ان سے استفادہ کیا جائے۔ سید امیر علی کا نام بھی اسی لحاظ سے لیا جاتا ہے کہ وہ استشراقی فکر کو سمجھنے کے لیے دعوت فکر دیتے ہیں تاکہ بغیر کسی تعصب کے ان کی تحقیقات اور تصنیفات سے استفادہ کیا جائے۔

استشراقی فکر اور سر سید احمد خان

سر سید احمد خان اپنی فطرت میں خالصتاً اسلامی تھے۔ آباواجداد کے مسلم خون کا ورثہ ان کے رگ وریشے میں حیات بن کر رواں دواں تھا۔ ماحول اور سماج کے مذہبی اثرات نے اسلام سے ان کی فطری وابستگی کو اور پختہ کر دیا تھا۔ تعلیم وتربیت نے مزید صلاحیت پیدا کی۔ احساس وشعور اور تفکر وتعقل نے مذہبی فکر واسلامی سوچ کو عقل وخرد کی کسوٹی پر کھرا ثابت کیا۔ اسلامی فکر وشعور نے سر سید کو صحیح العمل مسلم بنایا۔ اسلام سے فکری اور عملی وابستگی نے اظہار وبیان کی صورت اختیار کی تو علوم اسلامیہ پر ان کی تالیفات وجود میں آئیں۔

سر سید کی فکر اپنے عناوین وموضوعات کے لحاظ سے قرآنیات، حدیث، سیرت نبوی ﷺ، سابقہ صحف سماویہ، کلام، فلسفہ، تصوف اور کسی حد تک فقہ میں محدود ومحصور نظر آتی ہے لیکن وہ اپنے متعدد مباحث ومشمولات میں اصول حدیث، تاریخ، اصول تاریخ، اخلاق اور متعدد دوسرے موضوعات سے بھی بحث کرتی ہے۔[۶] ابتدائی

۵— شبلی نعمانی، **سیرۃ النبی ﷺ** (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۵ء)، ۱: ۸۶— ۹۹۔

۶— سر سید کے مذہبی تصانیف کے موضوعاتی تجزیے کے لیے ملاحظہ ہو: الطاف حسین حالی، **حیات جاوید** (دہلی: انجمن ترقی اردو،

تصانیف میں سرسید کا بنیادی مقصد صحیح اسلامی تعلیمات کو پیش کرنا اور غیر اسلامی روایات وافکار سے امت کو محفوظ رکھنا نظر آتا ہے۔

سرسید مستشرقین کے افکار وخیالات اور ان کے اسلام سے متعلق متعصبانہ رویے سے براہ راست واقف تھے۔ مسیحی مبلغین، مصنفین اور مؤرخین نے اسلامی علوم، قرآن اور سیرت رسول ﷺ پر جو رکیک حملے کیے، سرسید نے ان کی ہرزہ سرائیوں اور بے سروپا الزامات کے علمی و تحقیقی جوابات دیے۔ سرسید ایک علمی آدمی تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی بصیرت وحکمت عطا کی تھی۔ اسی لیے انھوں نے یک طرفہ طور پر تمام مسیحی مبلغین ومؤرخین کو دشمنان اسلام قرار نہیں دیا، بلکہ اگر کسی مستشرق نے اسلام کے سلسلے میں حقیقت پسندی سے کام لیا ہے تو اس کی علمی صداقت کی داد بھی دی۔

سرسید کی تمام تصانیف میں سے **خطبات احمدیہ** کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس تصنیف کی تحریک کا سرچشمہ ان کی عقیدت رسول اور بے پناہ جذبۂ محبت ہے۔ سرسید اس شہرہ آفاق کتاب میں ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> انگریزوں نے مسلمان بادشاہوں اور حکومتوں کی تاریخیں نہایت ناانصافی سے لکھی ہیں۔ یہی کتابیں طلبہ پڑھتے ہیں، جن کی وجہ سے ان کے اذہان پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے جن کے تمام واقعات کو صداقت ودیانت سے پیش کیا گیا ہو۔ دنیا کے دو بڑے واقعات، ایک فتح اندلس[۷] اور دوسرے کروسیڈ[۸] یعنی آٹھ لڑایاں جو مسلمان اور عیسائیوں کے مابین بیت المقدس پر ہوئیں، اگر ان کی صحیح تاریخ منظر عام پر آجائے تو لوگوں کے ذہن دین اسلام کے باب میں صاف ہو جائیں۔[۹]

مسیحی مصنف مراکشی کے متعلق بھی سرسید نے لکھا ہے کہ اس نے ہمیشہ اسلام کے خلاف طوفان بدتمیزی کی۔[۱۰] ڈین پریڈی کا شمار بھی سرسید نے انھی مورخین میں کیا ہے جن پر اسلام بہت شاق گزرتا تھا۔ اس

۱۹۴۹ء)، ۵۶۶– ۵۹۳ ومابعد؛ ثریا حسین، **سرسید احمد خان اور ان کا عہد** (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳ء)، ۵۹– ۱۸۱۔

۷– اندلس شمالی افریقہ کے بالکل سامنے یورپ کے جنوب مغربی کنارے پر ایک حسین وجمیل جزیرہ نما ہے جسے طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے ولید بن عبد الملک کے دور حکومت میں فتح کیا۔

۸– صلیبی جنگیں، جن کو انگریزی میں (Crusades) کہتے ہیں، مذہبی جنگوں کا ایک سلسلہ تھا جسے قرون وسطیٰ میں لاطینی کلیسا نے منظور کیا، جس میں خاص طور پر مشرقی بحیرہ روم کی مہمات تھیں، جن کا مقصد ارض مقدسہ کو اسلامی حکم رانی سے آزاد کرانا تھا۔

۹– سرسید احمد خاں، **خطوط سرسید**، مکتوب بنام محسن الملک (حیدرآباد دکن: نظامی پریس، ۱۹۳۱ء)، ۳۸۔

۱۰– سرسید احمد خاں، **خطبات احمدیہ** (لاہور: دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار، س ن)، ۱۳۔

کی کتاب کو پڑھنے کے بعد کوئی شخص اس کی عدم واقفیت اور جاہلیت پر بغیر ہنسے نہیں رہ سکتا۔[۱۱] سرسید نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر اسپرنگر (Aloys Sprenger) کی ایک کتاب جرمن میں ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کے حالات ابن اسحاق اور واقدی کو بنیاد بنا کر ترتیب دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔[۱۲]

سرسید نے کچھ ایسے مستشرقین کا ذکر کیا ہے جو اسلام کے معاملے میں حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہیں، جن کے ہاں تعصبات اور کدورتیں بہت کم ہیں اور بڑی حد تک سچائی جن کا شیوہ ہے۔ ان میں ایک مشہور نام جان ڈیون پورٹ (John Davenport) کا ہے۔ سرسید نے جابجا اپنی کتاب میں ان کے خیالات نقل کیے ہیں۔ سرسید نے اپنے ایک خط بنام محسن الملک میں جان ڈیون پورٹ سے متعلق یوں اظہار خیال کیا ہے:

> ایک انگریز نے، جس کا نام جان ڈیون پورٹ ہے، حمایت مذہب اسلام میں ایک عجیب وغریب کتاب لکھی ہے، جناب پیغمبر ﷺ کا حال لکھا ہے اور جس قدر اتہام والزام انگریزوں نے آنحضرت ﷺ پر اور قرآن پر اور مذہب اسلام پر لگائے ہیں، اس کا جواب دیا ہے۔[۱۳]

سرسید نے **خطبات احمدیہ** میں جان ڈیون پورٹ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

> کیا یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جس شخص نے اس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلے میں، جس میں اس کے ہم وطن (یعنی اہل عرب) مدت سے ڈوبے ہوئے تھے، خدائے برحق کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دائم الاثر اصلاحیں کیں، مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا، نشے کی چیزوں کے استعمال اور قمار بازی کو منع کیا، بہتات سے کثرت ازدواج کا رواج تھا، اس کو بہت کچھ گھٹا کر محدود کیا، غرض یہ کہ ایسے بڑے اور سرگرم مصلح کو ہم فریبی کیسے ٹھہرا سکتے ہیں؟۔[۱۴]

مارگولیتھ (D.S. Margoliouth) اور نالڈیکے (Theodor Noldeke) نے بھی اسلام کے سلسلے میں صداقت و دیانت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کے سلسلے میں سرسید نے **کوارٹرلی ریویو** (انگلستان ۱۸۷۲ء) کا ایک اقتباس نقل کیا ہے:

> ان مؤرخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلادی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تروتازہ چیز ہے اور ہزاروں ثمروں اور جوہروں سے بھرپور ہے اور محمد ﷺ نے انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنی جگہ حاصل کی ہے۔[۱۵]

۱۱۔ نفس مرجع، ۱۴۔

۱۲۔ نفس مرجع۔

۱۳۔ نفس مرجع، ۱۶۔

14– John Davenport, *An Apology for Mohammed and the Koran* (London: J. Davy and Sons, 1882), 214

۱۵۔ کوارٹرلی ریویو (انگلستان ۱۸۷۲ء) بہ حوالہ سرسید احمد خان، **خطبات احمدیہ**، ۵۰۔

سرسید کے نزدیک ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) بھی ایک سچا مصنف ہے۔ اس نے اسلام کے بارے میں کسی مخاصمت کا ثبوت نہیں دیا۔ سرسید نے اپنی کتاب میں اسے جگہ جگہ بہ طور استدلال نقل کیا ہے:

محمد (ﷺ) کا مذہب شکوک وشبہات سے پاک ہے۔ قرآن، خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی، انسانوں کی اور ستاروں وسیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اس نے اپنی معقول گری سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، وہ کسی شکل میں محدود ہے نہ کسی مکان میں اور نہ اس کا ثانی موجود ہے، جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں۔[۱۶]

سرسید نے تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) کو بھی سراہا، کیوں کہ اس نے بھی اسلام کی حقانیت تسلیم کرنے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔ **خطبات احمدیہ** میں منقول اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے، جس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا ذہن آلائشوں سے کس قدر پاک تھا۔ اس نے اپنے غیر معاندانہ خیال کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:

ہم لوگوں (عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد ایک پرفن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور ان کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہے، اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں، جو جھوٹی باتیں اور دوراندیشی اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (عیسائیوں) نے اس انسان (محمد) کی نسبت قائم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کے باعث ہیں۔[۱۷]

اس نے مزید لکھا ہے:

اسلام آنے سے قبل عرب تہذیب وتمدن میں بہت پیچھے تھے اور گلہ بانی ان کا پیشہ تھا۔ دنیا کی قوموں میں ان کا کوئی شمار نہ تھا۔ لیکن اس قوم میں اولوالعزم پیغمبر ایک ایسے کلام کے ساتھ آیا جس پر وہ یقین کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ پوری دنیا پر چھاگئے۔ ایک زمانہ تک عرب کی بہادری کا سکہ دنیا کے ایک بڑے حصہ پر جاری تھا۔[۱۸]

گبن کا کہنا ہے کہ "پیغمبر خدا حرارت مذہبی یا جوش کی حالت میں اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک صفحے کی خوبیوں کی برابری انسان اور ملائکہ نہیں کرسکتے۔ ایسا بے نظیر کلام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔" اسی مصنف نے اپنی رائے کا اظہار یوں بھی کیا ہے: "اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے متجاوز ہے تو ہومر کی ایلیڈ اور ڈی موستھینز کی فلپکس کس برتر عقل کی طرف منسوب کرنی

۱۶- سرسید احمد خاں، **خطبات احمدیہ**، ۲۰۔

۱۷- تھامس کارلائل، **محمد رسول اللہ**، ترجمہ، عبیدالرحمن عاقل (بمبئی: کتابستان پبلشرز، س ن)، ۲۶۔

۱۸- نفس مرجع، ۳۱۔

چاہیے۔" (۱۹)

مشہور مستشرق جارج سیل (George Sale) نے قرآن کریم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ بات بالعموم مسلمہ ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں جو جملہ اقوام میں شریف ترین اور مہذب ترین قوم ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں لکھا گیا ہے لیکن اور زبانوں کی بھی کسی قدر آمیزش ہے گو وہ آمیزش بہت قلیل ہے۔ وہ کلام عربی زبان کا نمونہ ہے اور زیادہ پکے عقیدے کے لوگوں کا یہ قول ہے اور نیز اس کتاب سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان اس کا مثل نہیں لکھ سکتا۔۔۔ اور اسی واسطے اس کو لازوال معجزہ قرار دیا ہے۔۔۔ اور خود محمد ﷺ نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے لیے اسی معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا۔" (۲۰)

ہمفری ڈین آف ناروچ (Humphrey, Dean of Norwich) نے قرآن کریم کے متعلق بتایا کہ "محمد ﷺ لوگوں کو سکھاتے تھے کہ اس کتاب (یعنی قرآن) کا اصلی مسودہ آسمانی دفتر میں رکھا ہوا ہے اور جبرائیل میرے پاس ایک ایک سورۃ کی نقل جس کی لوگوں میں شائع کرنے کی حسب موقع ضرورت ہوا کرتی ہے، لایا کرتے ہیں۔"(۲۱) سرسید نے اس پر یوں تنقید کی ہے کہ "یہ ایک ایسا بے ہودہ بیان ہے جس کی تردید لکھنی بھی بے فائدہ ہے۔"(۲۲) سرسید نے مزید کہا کہ مسٹر گبن نے بھی اسی طرح کی جہالت پر مبنی باتیں کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے: "وجود قرآن بہ قول آنحضرت ﷺ کے یا ان کے متبعین کے غیر مخلوق اور ابدی ذات الٰہی میں موجود ہے اور نور کے قلم سے لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے۔ اس کی ایک نقل کاغذ پر لکھی ہوئی ریشم اور جواہرات کی جلد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام فلک اول پر لے آئے تھے۔"(۲۳)

حدیث کی کتابوں کے سلسلے میں اسپرنگر کے خیال کا سرسید نے نوٹس لیا ہے۔ اسپرنگر نے کہا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے یہاں چھ کتابیں سب سے معتبر ہیں: ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب کا نام **الجامع الصحیح** ہے، ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری نیشاپوری کی کتاب کا نام **صحیح مسلم** ہے، ابو داود سلیمان بن اشعث السجستانی کی کتاب **سنن أبي داود** ہے، ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی کی کتاب **سنن**

۱۹۔ سرسید احمد خاں، **خطبات احمدیہ**، ۴۶۰۔
۲۰۔ نفس مرجع، ۴۶۲۔
۲۱۔ نفس مرجع، ۴۶۴۔
۲۲۔ نفس مرجع۔
۲۳۔ نفس مرجع، ۴۶۷۔

ترمذي ہے، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی کی کتاب **سنن نسائي** ہے اور ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی کی کتاب **سنن ابن ماجه** ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں، جو اکثر کتب سابقہ پر مبنی ہیں جن کی سنیوں کے یہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔ مثلاً دارمی، دار قطنی، ابن عیینہ، اصمعی، زرقانی، احمد، بیہقی، حمیدی، بغوی، رازی، ابن جوزی اور نووی وغیرہ۔ سرسید کہتے ہیں کہ "اخیر کی چودہ کتابیں ان میں جس قدر سے کہ ہم واقف ہیں پہلی چھ کتابوں پر مبنی نہیں ہیں، سوائے مشکوٰۃ کے، جو بغوی کی ہے اور اکثر ان سے غیر معتبر اور غیر مستند ہیں اور ان میں جو حدیثیں مذکور ہیں وہ ان چھ کتابوں میں نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ کوئی حدیث ہو، خواہ پہلی قسم کی کتابوں میں ہو، نہ کسی مذہبی عقیدے کی بنا قرار پاتی ہے، نہ صحیح اور مستند تسلیم ہوتی ہے، جب تک کہ وہ ان قواعد سے جو اوپر مذکور ہوئے، صحیح نہ ثابت ہوئی ہو۔" (۲۴)

مستشرقین اور مسیحی مصنفین نے طرح طرح سے اسلام کو ایک جابر و قاہر مذہب قرار دینے کی کوشش کی ہے اور کہا کہ اسلام نے دنیا میں ظلم و فساد کی اشاعت کی اور طاقت و قوت سے دنیا پر حکم رانی کی۔ سرسید نے اپنی کتاب میں اس خیال کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ "مذہب اسلام انسان کے حق میں رحمت ہے اور موسوی اور عیسوی مذہب کو اس سے نہایت فائدے پہنچے ہیں۔۔۔" لیکن "جو بات مذہب اسلام کے متعلق ہوتی ہے اس کو عیسائی مصنف ہمیشہ بد ظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نیکی کو چھوڑ بدی پر عمل کرتے ہیں۔"(۲۵)

سرسید نے مسیحی مصنفین کے اس خیال کی تردید خود انھی کے مکتب فکر کے مصنفین سے کی ہے۔ مشہور مؤرخ گبن لکھتا ہے:

> محمد ﷺ کی سیرت میں سب سے اخیر جو بات غور کرنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ ان کا عظم و شان لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے حق مفید ہوا یا مضر۔ جو لوگ کہ آنحضرت ﷺ کے سخت دشمن ہیں وہ بھی اور نہایت متعصب عیسائی اور یہودی بھی باوجود پیغمبر برحق نہ ماننے کے اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے کہ آنحضرت ﷺ نے دعوے رسالت ایک نہایت مفید مسئلے کی تلقین کے لیے اختیار کیا۔ (۲۶)

اسی طرح ڈپون پورٹ نے لکھا ہے کہ "اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدہ کی تلقین کی گئی ہے اس کی اشاعت صرف بہ زور شمشیر ہوئی تھی کیوں کہ جن لوگوں

۲۴۔ نفس مرجع، ۳۵۶۔

۲۵۔ نفس مرجع، ۲۴۴۔ ۲۴۵۔

۲۶۔ نفس مرجع، ۲۴۵۔

کی طبیعتیں تعصب سے مبرا ہیں وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کریں گے کہ حضرت محمد کا دین۔۔۔ مشرقی دنیا کے لیے ایک حقیقی برکت تھا۔"(۲۷)

سرسید نے **خطباتِ احمدیہ** میں اور اُس کے سوا اپنی اور بہت سی تحریروں میں اس مغالطے کو اس طرح رفع کیا ہے کہ فی الواقع کسی انصاف پسند کو، خواہ وہ مسیحی ہو اور خواہ غیر مسیحی اسلام کے مسئلہ جہاد پر نکتہ چینی کرنے کا محل باقی نہیں رہا۔ جو لوگ اسلام سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ الزام قرآن مجید کے اس صاف اور روشن حکم کے کس قدر برخلاف ہے کہ: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (۲۸) (یعنی دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں؛ کیوں کہ ہدایت اور گم راہی میں صاف فرق ظاہر ہو گیا ہے۔)

سرسید جان ڈیون پورٹ کی کتاب *Apology* سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں: "خون ریزی اور بربادی اُن احمقانہ نو جہادوں کی جو عیسائیوں نے قریب دو سو برس کے عرصے تک ترکوں پر کیے تھے اور جس میں کئی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ قتل کرنا اُن شخصوں کا جو اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے کہ انسان کو دوبارہ اصطباغ (غسل یا بپتسمہ) ہونا چاہیے۔ لوتھر کے پیروؤں اور رومن کیتھولک مذہب والوں کا دریائے رائن(۲۹) سے لے کر انتہا سے شمال تک قتل ہونا۔ وہ قتل جس کا حکم ہنری ہشتم اور اُس کی بیٹی میری نے دیا۔ فرانس میں سینٹ بارتھولومیو کا قتل ہونا، چالیس برس تک اور بہت سی خون ریزیوں کا ہونا، فرانسس اول کے عہد سے ہنری چہارم کے پیرس میں داخل ہونے تک۔ عدالت مذہبی کے حکم سے قتل ہونا جو اب تک اس لیے قابل نفرین ہے؛ کیوں کہ وہ عدالت کی رائے سے ہوا تھا۔ علاوہ اس کے اور بے انتہا بدعتوں کا اور اس بیس برس کی خرابیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے؛ جب کہ پوپ پوپ کے مقابلہ میں اور بشپ بشپ کے مقابلے میں تھے۔۔۔ آخر کار اس خوف ناک فہرست کا خاتمہ ہونے کے لیے ایک کروڑ بیس لاکھ نئی دنیا کے باشندوں کا صلیب ہاتھ میں لیے قتل ہونا۔ یقیناً یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ ایک ایسا مکروہ اور قریباً ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا چودہ برس تک سوائے عیسائیوں کے اور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا۔"(۳۰)

۲۷- نفس مرجع، ۲۴۹۔

۲۸- القرآن، ۲: ۲۵۶۔

۲۹- دریائے رائن (Rhine) جرمنی کا مشہور دریا اور آبی گزرگاہ ہے جو سوئٹزرلینڈ (Switzerland) میں الپس کے پہاڑی سلسلے سے نکلتا ہے۔ ۱۲۳۳ کلومیٹر طویل رائن یورپ کا بارھواں بڑا دریا ہے۔

۳۰- سرسید احمد خان، **خطبات احمدیہ**، ۳۲۷۔

سر سید احمد خان کا شمار ان اکابرین میں ہوتا ہے جو صفحۂ ہستی پر کبھی کبھار نمودار ہوتے ہیں اور نامساعد حالات اور ناساز گار ماحول کے باوجود اپنی ندرت فکر و عمل سے زمانے کے دھارے کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ سر سید نے نہ صرف سیرۃ النبی کے حوالے سے مستشرقین کی فکر کا محاکمہ کیا بلکہ انھوں نے اسلامی فکر اور نظام حیات کے حوالے سے بھی مستشرقین کے افکار کا محاکمہ کیا، نیز اسلام کی حقیقی تعلیمات سے بھی ان کو متعارف کروایا۔ اسی لیے سر سید نے اپنی تصنیفات میں بھی تعصب کے بجائے محققانہ اور مدلل انداز اختیار کیا جو نہ صرف ان کی فکر کا عکاس ہے بلکہ اسلام کی خدمت بھی ہے۔

استشراقی فکر اور مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا ابو الکلام آزاد اپنے دور کی ایک بہت بڑی شخصیت تھے۔ ان کی شخصیت کے اندر بہت سی شخصیتیں جمع تھیں مگر سب سلیقے سے، قرینے سے اور مکمل تھیں۔ ان کی سیاسی زندگی کی طوفانی سرگرمیاں اگرچہ ان کے باقی پہلوؤں پر غالب رہیں لیکن انھوں نے ادبی، سماجی اور صحافتی پہلوؤں کو بھی اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے ہمیشہ منور رکھا۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں پر اُن کو پورا عبور تھا۔ انھی زبانوں پر عبور حاصل کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نے عربی علوم پر مستشرقین کی تصنیفات کا محاکمہ کیا اور مستشرقین کے افکار پر اپنا حاصل مطالعہ پیش کیا۔ مولانا نے جو دو رسالے **الہلال** اور **البلاغ** جاری کیے ان رسالوں میں ان کا انداز تحریر عربی زدہ ہے لیکن ساتھ ہی نہایت زوردار، پُراز جذبات، پُر شکوہ اور مُرصّع بھی ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اسی اسلوب میں مذہبی اور سیاسی موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کے یہ دونوں رسائل ایک طرح سے بیسویں صدی کی آزاد خیال اساسیت کی صورت میں سر سید احمد خان کے انیسویں صدی کے رسالے **تہذیب الاخلاق** کا جواب تھے۔

شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ "مولانا زمانۂ حاضر کی فکری تحریکوں کو بہ خوبی سمجھتے اور قرآن کو ہر زمانے کی پیچیدگیوں کا حل قرار دے کر انسانی معاشرے کو اس کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ وہ قرآن کی ابدی دعوت پر نظامِ کائنات کی اساس رکھتے ہیں۔"[۳۱]

شیخ محمد اکرام رقم طراز ہیں:

مذہبی نقطۂ نظر سے مولانا ابوالکلام آزاد کا سب سے اہم کام، جو ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا، جدید علم الکلام کی اصلاح ہے۔ سر سید کے نو معتزلہ عقائد سے مسلمان کبھی خوش نہ تھے لیکن شاید اس کا سدّباب مولانا ہی

۳۱۔ شورش کاشمیری، **ابوالکلام آزاد** (لاہور: چٹان، ۲۰۰۹ء)، ۴۸۳۔

نے کیا۔ یہ درست ہے کہ سر سید کی زندگی میں اور ان کے بعد علماء نے ان کے خیالات کی تردید میں کتابیں لکھیں مگر مولانا کا کام ان سب سے اہم تھا۔ قدیم علما کو خدا نے زوردار قلم نہ دیا تھا جو مولانا کے ہاتھ میں تھا۔ (۳۲)

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا میں علم و جستجو کا ایک عنصر واقع تھا جس کی وجہ سے وہ بہت سے معاملات کو مثالی اور فطری انسان کی حیثیت سے حل کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے دور کی تحریکوں کو بہ خوبی سمجھا اور عصری تقاضوں کے مطابق معاشرے کو ڈھالنے کی کوشش کی۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور استشراق

مشاہیر تاریخ عالم میں سے کسی کو بھی یورپ میں نبی کریم ﷺ سے کم تر انداز میں نہیں پرکھا گیا۔ بیش تر مغربی مؤرخین نے جناب محمد ﷺ کے رتبے کا غلط ادراک کیا اور جہاں کہیں بھی کسی امر کی قابل اعتراض تشریح ممکن ہو سکی اسے حقیقت کا مصنوعی لبادہ پہنا کر تسلیم کرانے کی بھرپور سعی کی گئی۔ (۳۳)

جے جے سانڈرز (J. J. Saunders) اپنی کتاب *A History of Medieval Islam* میں لکھتا ہے:

تاہم اس بات کا انکار کرنا بے سود ہو گا کہ عیسائیوں کے دل میں عربی پیغمبر ﷺ کے لیے کوئی ہمدردی یا نرم گوشہ موجود تھا۔ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت متوازن اور پاکیزہ تر تھی۔ مسیحی دنیا کو اسلام سے زک اٹھانا پڑی۔ صلیبی جنگوں کے دوران کیے گئے پراپیگنڈہ کی وجہ سے غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنا ناممکن تھا۔ اس کے بعد طویل عرصے سے بلکہ ابھی تک جناب محمد ﷺ کی شخصیت کی عکاسی نزاعی ادب میں طویل عرصہ سے بے سروپا حکایتوں کی صورت میں اشاعت پذیر ہے۔ (۳۴)

اسی طرح آر۔ڈبلیو ساوتھرن (R.W. Southern) لکھتا ہے:

۱۱۲۰ء سے اہل مغرب کے ذہن میں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ایک واضح تصویر موجود تھی۔ لیکن یہ علم کی بنیاد پر نہ تھی اور اس کی تفاصیل بھی محض حادثاتی طور پر درست تھیں۔ اس دور کے مصنفین اپنی کم فہمی کی وجہ سے بزعم خود خوش تھے۔ (۳۵)

مستشرقین در حقیقت اسلامی تعلیمات، تاریخ اور تہذیب کو مسخ کرنے کے درپے رہے ہیں اور اسلام کی

۳۲۔ محمد اکرام شیخ، **موج کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۳ء)، ۲۶۲۔

33– W. Montgomery Watt, *What is Islam* (London: Stacey International, 2002), 148.

34– J. J. Saunders, *A History of Medieval Islam* (London: Routledge, 1978), 234.

35– Richard William Southern, *Western Views of Islam in the Middle Ages* (London: Harvard University Press, 1962), 72.

جگہ علاقائی تہذیبوں کو اچھالنے اور مردہ زبانوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) اس نقطۂ نگاہ کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ نے غزوہ موتہ کا آغاز کر کے مسیحی مسلمان کشمکش کا آغاز کر دیا تھا۔[۳۶]

مولانا ابوالکلام آزاد اس کشمکش کا جواب اس انداز میں دیتے ہیں:

جب اسلام کی دعوت زیادہ پھیل گئی تو وہ عیسائی ریاستیں جو عرب اور شام کے سرحدی علاقے میں قائم ہو گئی تھیں اور رومی حکومت کے ماتحت تھیں، اس تحریک کی ترقی گوارا نہ کر سکیں اور رومی شہنشاہی کی پشت گیری سے مغرور ہو کر آمادۂ پیکار ہو گئیں۔ سب سے پہلا معاملہ حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ نے انھیں دعوت اسلام کا خط دے کر موتہ بھیجا تھا جہاں کا رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی تھا۔ اس نے انھیں (حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ) کو بغیر کسی جرم و قصور کے قتل کرا دیا۔ اس صریح ظلم نے پیغمبر اسلام کو جنگ[۳۷] پر مجبور کر دیا اور ایک فوج ۸ھ میں روانہ کی گئی۔ اس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ بھی شام میں مقیم تھا۔ اس سے رئیس موتہ نے مدد مانگی اور ساری فوج بھی میدان میں آ گئی۔ تاہم فتح مسلمانوں ہی کی ہوئی۔[۳۸]

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ "اس واقعے کے بعد شام کے تمام عرب قبائل نے تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی ان کی اعانت کا فیصلہ کر لیا۔ چناں چہ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کو خود دفاع کے لیے نکلنا پڑا۔ یہی دفاعی اقدام ہے جو غزوۂ تبوک (۹ھ) کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن جب پیغمبر اسلام ﷺ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اس بے باکانہ اقدام نے دشمنوں کے ارادے پست کر دیے اور اب حملے کا ارادہ ملتوی ہو گیا ہے۔۔۔ چوں کہ اب مسلمانوں پر اس جانب سے سخت حملہ ہونے والا تھا اور دوسری طرف عرب کے یہودی بھی اپنی سازشوں میں سرگرم تھے اس لیے ناگزیر ہو گیا تھا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کر دیا جائے۔"[۳۹]

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے تمام یہودیوں اور مسیحیوں پر محض ان

36– Philip K. Hitti, *Islam and the West* (London: Van Nostrand Reinhold, 1963), 147.

۳۷– غزوۂ موتہ کا شمار اسلام کے فیصلہ کن معرکوں میں ہوتا ہے۔ یہ جنگ روم کے مسیحیوں کے خلاف لڑی گئی۔ اس میں آپ ﷺ نے تین سپہ سالاروں کو مقرر کیا لیکن وہ تینوں شہید ہو گئے اور ابتدائی طور پر مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ان حالات میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی اور مسلمانوں کو جمع کر کے رومیوں کو شکست دی۔

۳۸– ابوالکلام آزاد، **رسول رحمت**، مرتب، غلام رسول مہر (دہلی: اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۸۲ء)، ۴۲۲۔

۳۹– نفس مرجع، ۴۲۲۔

کے یہودی اور مسیحی ہونے کی وجہ سے حملہ کر دو، جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ نہ دیں جیسا کہ معترضین اسلام نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا صرف وہی کہہ سکتا ہے جو پورے قرآن، پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی، صحابہ کے حالات اور تاریخ اسلام سے یک قلم آنکھیں بند کر لے۔[۴۰]

مولانا ابو الکلام آزاد مزید لکھتے ہیں: "رسول کریم ﷺ کسی بھی دور میں جنگ کے خواہاں نہ تھے۔ جو دین عالم انسانیت کے لیے صلح و امن، محبت و اخوت اور فلاح و بہبود کا پیغام تھا، اس میں رزم و پیکار کے لیے کون سی گنجائش ہو سکتی تھی۔"[۴۱]

قرآن کریم اس بات پر گواہ ہے کہ وہ قوم جو شیوہ ہائے انسانیت کے اعتبار سے شاید روے زمین پر پست ترین قوم تھی اس کو بلند ترین مسند پر بٹھایا گیا اور امامت روے زمین کا منصب سونپا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾[۴۲] (یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔)

مولانا ابو الکلام آزاد نے جہاں مستشرقین کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے، وہیں ان کی علمی خدمات کا اعتراف بھی کیا ہے۔ مولانا علوم و فنون میں مسلمانوں کی پست حالی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر لائٹنر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمان تو بہت ہیں مگر وہ جانتے کیا ہیں، اگر آج عربی کی کوئی عمدہ تاریخ یا کوئی عمدہ دیوان درکار ہو، تو یورپ سے مانگنا پڑے گا۔ ابن خلدون، ابن رشد، ابن بطوطہ، حاجی خلیفہ، ابن اثیر اور مقریزی جو اسلام میں آسمان علم کے آفتاب ہیں، یہاں ان کو کوئی جانتا بھی نہیں؛ تائبط شرا، امراء القیس، بحتری اور ابو تمام، کا دیوان کتنے آدمیوں نے پڑھا ہو گا۔ یورپ میں صدہا آدمی یہ کتابیں پڑھتے ہیں اور ترجمۂ قرآن تو لاکھوں۔[۴۳]

۴۰۔ نفس مرجع۔

۴۱۔ نفس مرجع، ۷۷۳۔

۴۲۔ القرآن، ۳: ۱۰۳۔

۴۳۔ ابو الکلام آزاد، "مسلمانوں کا ذخیرہ علوم و فنون اور مستشرقین" مشمولہ **اسلام اور مستشرقین**، مرتب ڈاکٹر محمد عارف عمری (اعظم گڑھ: دار المصنّفین، ۲۰۰۶ء)، ۷: ۱۶۰– ۱۶۲۔

سر سید احمد خاں اور ابو الکلام آزاد کے نقطۂ نظر کا تقابلی جائزہ

اگر تحریک استشراق کا جائزہ لیا جائے تو سر سید احمد خاں ان اوّلین مسلم اہل علم میں سے ہیں جنھوں نے استشراقی تحریک کے مقاصد کو سمجھا اور اس کا محاکمہ بھی کیا۔ سر سید نہ صرف اپنے وطنی علماے کرام کے قصور علم ودفاع سے واقف تھے بلکہ عالم اسلام کے دوسرے اہل دین کی محدود مساعی کا ادراک بھی رکھتے تھے۔ اس لیے وہ اپنی نگارشات اسلامی کے ذریعے اسلام پر مستشرقین کے حملوں کا دفاع ہی نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اسلام کی تعلیمات کی حقانیت ثابت کرنے کی جدوجہد کو تحریک کی شکل دینا چاہتے تھے۔ **خطبات احمدیہ** میں ان کی دل سوز وجاں سوز تحقیقات ان کے مقصد عالی کی شاہد عدل ہیں۔ جہاں تک استشراقی فکر کا تعلق ہے تو سر سید احمد خان اور مولانا ابو الکلام آزاد کے استفادے کی نوعیت اور اسلوب مختلف رہا ہے۔ سر سید احمد خان استشراقی فکر کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی زیادہ تحقیقات بغض اور عناد پر مبنی ہیں۔ ان کے نزدیک مستشرقین کا ایک خاص مقصد اسلام اور اسلامی علوم وفنون میں شبہات پیدا کرنا ہے اس لیے ان کی تحقیقات کے مطالعے سے عام مسلمانوں اور محققین کے ذہن میں بھی تشکیک پیدا ہوتی ہے[۴۴] اس لیے سر سید احمد خان اپنی تحریروں میں سخت موقف اختیار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سر سید احمد خان ان مستشرقین کا بھی ذکر کرتے ہیں جو متعصب نہیں اور اسلام کے بارے میں ان کا رویہ معاندانہ نہیں ہے اور وہ اسلام کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔

جہاں تک مولانا ابو الکلام آزاد کا تعلق ہے، وہ جہاں استشراقی فکر کا محاکمہ کرتے ہیں وہیں مستشرقین کی تحقیقات سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ مولانا کو عربی اور فارسی علوم پر مہارت تھی، اور بہ طور صحافی اس دور کے حالات اور علوم کی دنیا پر ایک گہری نظر رکھتے تھے۔ اس لیے عربی ادب پر مستشرقین کی تصنیفات سے متاثر نظر آتے ہیں اور اسی لیے باربار عربی زبان میں مہارت کی بات کرتے ہیں۔ مولانا یہ چاہتے ہیں کہ عربی ادب پر مستشرقین کی جو تصنیفات ہیں، ان سے استفادہ کیا جائے، کیوں کہ وہ اس کو ایک علمی سرمایہ تصور کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں عربی ادب پر مسلمانوں کی گہری نظر ہونی چاہیے اور اصول و قواعد پر مکمل عبور حاصل کرنا چاہیے۔ اس لیے جہاں ضروری ہو وہاں استشراق کا محاکمہ کیا جائے اور مستشرقین کے اچھے کام کی تحسین کی جائے اور اعتراضات کے مدلل جوابات دیے جائیں۔

۴۴۔ سر سید احمد خاں، **خطبات احمدیہ**، ۱۵۔

ابوالکلام آزاد سرسید احمد خان کی طرح تقلید کے منکر ہیں اور تمام بنیادی مسائل کا حل، مثلاً قوانین فطرت، انسان کا انسان سے رشتہ، اصول زندگی، اخلاقیات کی اقدار و سیاسی اخلاق کے معیار، سب قرآن کے اندر تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۴۵)

قرآن نے کثیر مقامات پر تفکر، تعقل اور تدبر پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت اس طرح واضح کی ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تفکر و تعقل اسلام کی خاص چیز ہے اور مولانا نے اس خصوصیت کو اچھی طرح اپنایا اور اپنی تفسیر قرآن کے نازک و اہم معاملات کو اس کے سہارے سے اس طرح طے کیا کہ اسے پڑھ کر ایمان کو جِلا ملتی ہے۔ وہ قرآن کو سمجھنے کے لیے جدید فلسفہ اور جدیدیت کے بجائے قرآن ہی سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی سے معانی و حقائق کے گہرہائے بیش بہا نکالتے ہیں۔(۴۶)

مولانا ابوالکلام آزاد کی مذہبی فکر پر شاہ ولی اللہ کے اثرات بھی ظاہر ہیں اور جہاں تک منہاجیات کا تعلق ہے کہ سید احمد خان کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ **ترجمان القرآن** میں انیسویں صدی کے اس مفکر کے عقلی اور فطرت پسندانہ منہاج کے اثرات جابجا ملتے ہیں۔ اگرچہ سرسید احمد خان اور مولانا ابوالکلام آزاد میں بہت زیادہ فرق ہے، کیوں کہ دونوں جن نتائج تک پہنچتے ہیں، ان میں اول الذکر کا مذہب مجہول مطابقت پذیری کی جانب لے جاتا ہے؛ جب کہ مؤخر الذکر نے اسلام کی جو تعبیر پیش کی ہے وہ آزادی اور حریت پسندی سے عبارت ہے۔(۴۷)

خلاصۂ بحث

سرسید احمد خان برصغیر کے وہ پہلے مسلم اہلِ علم ہیں جنھوں نے مستشرقین کی تصنیفات کا مطالعہ کیا اور ان کے تصنیفی مقاصد اور مشرقی علوم بالخصوص اسلامی علوم کے بارے میں تحقیقات کو خطرناک قرار دیا؛ کیوں کہ ان تصنیفات میں مستشرقین نے اسلام کے بارے میں بغض و عناد پیش کیا جس کے بارے میں سرسید نے ضروری سمجھا کہ ان افکار کا ان کی زبان میں جواب دیا جائے اور ان کے باطل نظریات کا رد کیا جائے، جس کے لیے انھوں نے **خطبات احمدیہ** لکھ کر اس تحقیقی و تصنیفی کام کا آغاز کیا جس میں مستشرقین کے نظریات اور اعتراضات کا علمی و تحقیقی انداز میں رد کیا گیا۔

۴۵۔ عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی جدیدیت**، ترجمہ، جمیل جالبی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء)، ۲۵۵۔

۴۶۔ ابو سلمان شاہجہان پوری، **مولانا ابوالکلام آزاد: ایک مطالعہ** (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۶ء)، ۳۷۔

۴۷۔ قاضی جاوید، **سرسید سے اقبال تک** (لاہور: نگارشات، ۱۹۸۶ء)، ۲۳۱۔

سرسید احمد خاں علم کی دنیا میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔انھیں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی بصیرت وحکمت عطا کی تھی۔اسی لیے انھوں نے ایک طرف تو مستشرقین کی تصنیفات کا مطالعہ کیا اوراس کے نتیجے میں تمام مسیحی مبلغین،مؤرخین اور مصنفین کو اسلام کا دشمن قرار نہیں دیا، بلکہ اگر کسی مستشرق نے اسلام کے سلسلے میں حقیقت پسندی سے کام لیاہے تو اس کی علمی صداقت کی داد بھی دی۔ سرسید کی تحریروں میں دونوں طرح کے مؤرخین و مستشرقین کا ذکر ملتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بارہا اس کا اعتراف بھی کیاہے کہ تمام مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود مذہبی حیثیت سے مسلمان مسیحیت سے بہت قریب ہیں۔مگر اس کے باوجود سرسید مسیحی مبلغین ومؤرخین کی جانب سے اسلام کے سلسلے میں زبردست خطرہ محسوس کرتے تھے۔ان کی طرف سے جب کوئی ایسی کتاب آتی جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخیاں اور بدتمیزیاں کی گئی ہوں تو اس سے انھیں شدید ذہنی اذیت لاحق ہوجاتی تھی۔ اس لیے بھی انھوں نے ایسے مستشرقین کے نظریات کا رد کیا جو اسلام مخالف نظریات رکھتے تھے۔مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دینے کے معاملے میں سرسید نے جو گراں قدر علمی خدمات انجام دی ہیں اس کی مثال ہندوستان یاہندوستان سے باہر خال خال نظر آتی ہے۔یہودیت اور مسیحیت کے مطالعے کے لیے سرسید نے عبرانی زبان سیکھی اور عبرانی کے عالم مولانا عنایت رسول چریاکوٹی سے علمی معاونت حاصل کی، تاکہ توریت، زبور اور دیگر کتب کا براہ راست مطالعہ کرکے ان کے بے بنیاد سوالات کا جواب فراہم کرسکیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد کی ذہنیت، تخیل اور سوچنے کی صلاحیت کے بارے میں اہل علم اپنے اپنے دائرہ حدود میں دیکھتے ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا علم کا بحر بے کراں تھے۔وہ ملت و قوم اور اہل علم و محققین کی نفسیات کو سمجھتے تھے اور علوم کی دنیا میں منفرد مقام رکھتے تھے۔مولانا ابو الکلام آزاد اسلامی علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔بہ طور صحافی اپنی عملی زندگی کا آغاز کیااور اسلامی علوم میں بھی کمال حاصل کیا۔وہ مستشرقین کی تصنیفات کے معترف رہے ہیں بالخصوص صرف و نحو کے اصول و قواعد اور عربی ادب میں وہ سمجھتے ہیں کہ مستشرقین نے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ تقلید سے نفرت کرتے ہیں اور قرآنی احکامات کے بنیادی اصولوں سے بہ خوبی واقف تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ ایک طرف سرسید احمد خاں کو اپنا پیش رو مانتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی احکامات سے متعلق ان کے خیالات سے اختلاف بھی کرتے ہیں جن میں نظریۂ جہاد قابل ذکر ہے۔

List of Sources in Roman Script

- Al-Qur'an.
- 'Abd Allah, Sayyid. "Ahmad Khan." In *Urdu Da'irah Ma'arif Islamiyyah.* Volume 2. Lahore: Danish Gah-i Panjab, 1980.
- Ahmad, 'Aziz. *Barr-i Saghir main Islami Jadidiyat.* Translated by Jamil Jalibi. Lahore: Idarah-i Thaqafat-i Islamiyah, 1997.
- Amin, Ahmad. *Zu'ama' al-Islah fi 'l-'Asr al-Hadith.* Beirut: Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, 2005.
- Azad, Abu 'l-Kalam. "Musalmanun ka Dhakhirah-i 'Ulum-o Funun aur Mustashriqin." In *Islam aur Mustashriqin,* edited by Muhammad 'Arif 'Umari. Azamgarh: Dar al-Musannifin, 2006.
- Azad, Abu 'l-Kalam. *Rasul-i Rahmat,* edited by Ghulam Rasul Mahr. Delhi: I'tiqad Publishing House, 1982.
- Carlyle, Thomas. *Muhammad Rasul Allah.* Translated by 'Ubaid al-Rahman 'Aqil. Mumbai: Kitabistan Publishers, n.d.
- Davenport, John. *An Apology for Mohammed and the Koran.* London: J. Davy and Sons, 1882.
- Hali, Altaf Husain. *Hayat-i Javaid.* Delhi: Anjuman-i Taraqqi-i Urdu, 1949.
- Hitti, Philip K. *Islam and the West.* London: Van Nostrand Reinhold, 1963.
- Husain, Thurayya. *Sir Sayyid Ahmad Khan aur un ka 'Ahad.* Aligarh: Educational Book House, 1993.
- Javaid, Qadi. *Sir Sayyid se Iqbal tak.* Lahore: Nigarishat, 1986.
- Kashmiri, Shurish. *Abu 'l-Kalam Azad.* Lahore: Chatan, 2009.
- Khan, Sir Sayyid Ahmad. *Khutbat-i Ahmadiyyah.* Lahore: Daust Associates Urdu Bazar, n.d.
- Khan, Sir Sayyid Ahmad. *Khutut-i Sir Sayyid.* Hyderabad Deccan: Nizami Press, 1931.

- Nadvi, Abu 'l-Hasan 'Ali. *Islamiyat aur Maghribi Mustashriqin wa Musalman Musannifin.* Lucknow: Majlis-i Tahqiqat-o Nashariyyat-i Islam, 1982.
- Nu'mani, Shibli. *Sirat al-Nabi.* Lahore: Maktabah Islamiyah, 2015.
- Saunders, J. J. *A History of Medieval Islam.* London: Routledge, 1978.
- Shahjahanpuri, Abu Sulaiman. *Maulana Abu 'l-Kalam Azad: Aik Mutali'ah.* Karachi: Maktabah-i Uslub, 1986.
- Shaikh, Muhammad Ikram. *Mauj-i Kauthar.* Lahore: Idarah-i Thaqafat-i Islamiyah, 2003.
- Smith, W. Cantwell. "Amir 'Ali." In *Urdu Da'irah Ma'arif Islamiyyah.* Volume 3. Lahore: Danish Gah-i Panjab, 1980.
- Southern, Richard William. *Western Views of Islam in the Middle Ages.* London: Harvard University Press, 1962.
- Watt, W. Montgomery. *What is Islam.* London: Stacey International, 2002.